شبیر احمد خاں غوری

# فارابی کے سیاسی افکار

**فارابی کا زمانہ** فارابی کی سیاسی تفکیر نہ تو اپنے عہد کے سیاسی انتشار یا معاشرتی تحریکات سے متاثر ہوئی اور نہ اُس نے اپنے عہد کے یا زمانۂ مابعد کے سیاسی افکار کو متاثر کیا - اس حیثیت سے اس کی سیاسی فکر کے سمجھنے کے لیے اُس پر آشوب ماحول کا بیان چنداں ضروری نہیں ہے جس میں اس نے اپنی زندگی بسر کی - تاہم فارابی کی عبقریت کو اس کے صحیح پس منظر میں تشکیل پاتے ہوئے دیکھنے کے لیے اُس زمانہ کے معاشرتی و ثقافتی ماحول پر ایک طائرانہ نگاہ ڈال لینا مناسب ہے -

فارابی نے ۳۳۹ھ میں وفات پائی اور چونکہ انتقال کے وقت اس کی عمر اسّی سال بتائی جاتی ہے[1] لہذا اس کا سالِ ولادت ۲۵۹ھ کے قریب ہوگا - اس طرح فارابی کا زمانہ متوکل باللہ کے قتل اور آلِ بویہ کے عروج کے درمیان ہے -

**سیاسی انتشار** مامون الرشید کی وفات (۲۱۸ھ) پر معتصم باللہ (۲۱۸ - ۲۲۷) اُس کا جانشین ہوا - وہ پہلا خلیفہ ہے جس نے ترک نوازی کو اپنی پالیسی بنایا - یہی ترک غلام آگے چل کر عباسی خلافت کے زوال کا باعث بنے اور ان کی چیرہ دستیوں کا پہلا شکار معتصم کا دوسرا بیٹا متوکل باللہ ہوا جسے ۲۴۷ھ میں ترکوں نے قصرِ خلافت میں قتل کر ڈالا - اس کے بعد منتصر تختِ نشین ہوا مگر پدر کش بیٹا چھ مہینے سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا - اب خلفا کا عزل و نصب ترکوں کے ہاتھ میں آگیا - پہلے مستعین کو خلیفہ بنایا بعد میں اُسے معزول کر کے معتز باللہ کو خلیفہ بنا دیا - مرکزِ خلافت کے ضعف و اختلال سے فائدہ اٹھا کر سجستان میں یعقوب بن لیث نے علمِ بغاوت بلند کیا اور صفاری خاندان کی بنیاد ڈالی - اسی زمانہ میں احمد بن طولون نے مصر کے اندر طولونی خاندان کی نیم خود مختار حکومت قائم کی -

تین سال بعد معتز باللہ بھی ترک گردی کا شکار ہوا اور مہتدی باللہ خلیفہ بنایا گیا لیکن گیارہ مہینے کی مختصر مدت کے بعد وہ بھی ترکوں کے ہاتھ سے قتل ہوا - مہتدی ہی کے زمانہ میں بصرہ کے اندر زنجیوں کی

---

[1] چنانچہ ابن خلکان نے اُس کے تذکرے میں لکھا ہے :- "توفی فی سنة تسع وثلاثین وثلثمائة بدمشق ...... وقد ناهز ثمانین سنة" - (وفیات الاعیان جلد ثانی صفحہ ۷۷)

بغاوت کا آغاز ہوا جس کا فتنہ ۲۷۰ھ تک ارباب حکومت کو پریشان کیے رہا

۲۵۶ھ میں متوکل کا تیسرا بیٹا معتمد علی اللہ تخت خلافت پر بیٹھا۔ اس نے ترکوں کا زور توڑنے کے لیے اپنے بھائی طلحہ (الموفق) کو سلطنت کا مختار کل بنا دیا اور خود لہو و لعب میں مشغول ہوگیا۔ موفق نے حالات کو بڑی حد تک درست کر لیا۔ اس نے ۲۷۰ھ میں زنجیوں کا استیصال کر دیا۔ اسی زمانہ میں قرامطہ کا ظہور ہوا جن کے فتنے نے آگے چل کر خلافت کی جڑیں ہی کھوکھلی کر دیں۔ معتمد ہی کے زمانہ میں ماوراء النہر اور خراسان کے اندر سامانی حکومت کا آغاز ہوا جن کی قلمرو میں شہر فاراب کے موضع وسیج کے اندر فارابی کی ولادت ہوئی

ملک کا عام سیاسی اختلال و انتشار اجتماعی فکر میں بھی منعکس ہو رہا تھا۔ انتظامی گرفت کے ڈھیلا ہونے سے فکری بے راہروی اور آزاد خیالی کو شہ مل رہی تھی اور عوامی رجحان فلسفہ و جدلیات کی جانب بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کے خطرناک نتائج کے سدباب کے لیے ایک سرکاری اعلان کے ذریعہ فلسفہ وغیرہ کی بڑھتی ہوئی اشاعت پر پابندی لگانا پڑی چنانچہ طبری ۲۷۹ھ کے واقعات میں لکھتا ہے کہ کتب فروشوں کو اس بات کی قسم دلائی گئی کہ وہ کلام، جدل اور فلسفہ کی کتابیں نہ بیچیں گے۔ ابن الاثیر اس سنہ کے متفرق واقعات میں لکھتا ہے

"وفیھا... حلف الوراقون ان لا یبیعوا کتب الکلام والجدل والفلسفة[۱]۔ اس سن میں کتب فروشوں کو قسم دلائی گئی کہ وہ کلام جدل اور فلسفہ کی کتابیں نہ بیچیں گے۔

مگر یہ اعلان فکری بے راہ روی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو نہ روک سکا کیونکہ کچھ ہی دن بعد معتمد نے وفات پائی اور اس کا بھتیجا معتضد باللہ سریر آرائے خلافت ہوا۔ اُسے خود فلسفہ سے دلچسپی تھی چنانچہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ جب اس کے باپ موفق نے ناراض ہوکر اُسے قید کر دیا تھا تو مشہور صابی فلسفی و مہندس ثابت بن قرہ اس کے نگراں کی اجازت سے روزانہ تین مرتبہ اُس کا دل بہلانے کے لیے اس کے پاس جایا کرتا تھا اور اس طرح یونانی علم و حکمت سے اسے مانوس بنایا کرتا تھا۔

> "اور ثابت بن قرہ روزانہ تین مرتبہ قید خانہ میں معتضد کے پاس جا کر اس سے بات چیت کیا کرتا۔ اسے تسلی دیا کرتا اور اسے فلاسفہ قدیم کے حالات نیز ہندسہ و نجوم اور دیگر علوم کی باتیں بتایا کرتا۔ اس طرح معتضد ثابت بن قرہ سے بہت زیادہ مانوس ہوگیا اور اس نے اس کے دل میں خاص مقام حاصل کر لیا"[۲]

---

۱ے کامل ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۵۰ — ۲ے طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ جلد اول صفحہ ۲۱۶

معتضد کندی کے شاگرد احمد بن الطیب السرخسی کا شاگرد تھا۔ خلیفہ ہونے پر اُس نے اسے اپنا ندیم بلکہ مشیر خاص بنا لیا۔ سرخسی نے اس تقرب خصوصی سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا اور خلیفہ کو الحاد و بے دینی کی طرف دعوت دینا شروع کی۔ معتضد اس علانیہ ارتداد کے سیاسی نتائج سے بے خبر نہ تھا لہٰذا جب سرخسی کا اصرار حد سے بڑھا تو اُس نے پہلے اسے قید کر دیا اور آخر کار ۲۸۶ھ میں قتل کرا دیا۔ کہتے ہیں سرخسی کے قتل کے بعد کسی نے معتضد کو ملامت کی کہ آپ نے اپنے استاد اور ندیم خاص کو قتل کرا دیا تو معتضد نے جواب دیا:

"تیرا بُرا ہو وہ مجھے الحاد و بیدینی کی ترغیب دیتا تھا تو میں نے اُس سے کہا کہ اے شخص میں اس شریعت کے بانی کا چچا زاد بھائی ہوں اور اب اس کی خلافت پر فائز ہوں اگر میں بیدین ہو جاؤں تو میرا کیا حشر ہوگا۔"[1]

لیکن ہرچند کہ معتضد نے سرخسی کو اس کی انتہا پسندی سے تنگ آ کر قتل کرا دیا تھا، وہ خود فلسفہ کا گرویدہ اور فلاسفہ کا عقیدت مند تھا اور منصب خلافت پر فائز ہونے کے باوجود خود کو ان سے فروتر سمجھتا تھا چنانچہ ابن ابی اُصیبعہ نے ابو اسحاق الصابی سے نقل کیا ہے:-

"ایک دن ثابت بن قرہ معتضد باللہ کے ساتھ خلیفہ کے پائیں باغ "فردوس" میں ورزش کے طور پر چہل قدمی کر رہے تھے اور معتضد نے ثابت بن قرہ کے ہاتھ پر چہل قدمی کے دوران میں تکیہ کر لیا تھا۔ پھر معتضد نے بڑے زور سے اپنا ہاتھ ثابت کے ہاتھ سے جھٹک کر نکالا۔ ثابت ڈر گیا کیونکہ معتضد بڑا ہیبت ناک تھا۔ پس جب اُس نے اپنا ہاتھ جھٹک کر نکالا تو کہا اے ابا الحسن ___ اور معتضد تنہائی میں اسے اس کی کنیت ہی سے مخاطب کرتا تھا اگرچہ عام مجالس میں نام لیتا تھا، میں بھول گیا اور تیرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر ٹیک لگائی حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ علماء بلند رہے ہیں اور ان پر کسی کو فوقیت نہیں ہوتی۔"[2]

بہرحال معتضد نے دس سال بڑی شان و شوکت سے حکومت کی مگر اس کا عہد عباسی خلافت کا سنبھالا تھا۔ اس کے بعد جو زوال شروع ہوا تو آخر تک ختم نہ ہو سکا۔ معتضد کی بیدار مغزی سے قرامطہ زیادہ کامیاب نہ ہو سکے۔ مگر ۲۸۹ھ میں اس کی وفات کے بعد دربار خلافت پھر سازشوں کا گہوارہ بن گیا۔ اس سے سلطنت کی دھاک ختم ہو گئی۔ قرامطہ کی چیرہ دستیاں بڑھ گئیں اور عالم اسلام ان کے قتل و غارت سے تھرا اٹھا

---

[1] معجم الادبا جلد اول

[2] طبقات الاطبا جلد اول صفحہ ۲۱۶

معتضد ہی نے بنو حمدان کو جزیرہ کا پروانہ حکومت بخشا جن کے دربار میں پینتیس ۳۵ سال بعد فارابی نے پناہ لی معتضد ہی کے زمانہ میں مدرسہ فلسفہ حران سے بغداد میں منتقل ہوا (جسکی تفصیل آگے آئے گی)

معتضد کے بعد مکتفی خلیفہ ہوا جسنے ۲۹۵ھ میں وفات پائی۔ فلسفہ پسندی خاندان خلافت میں اس درجہ رچ گئی تھی کہ معتضد کا پوتا اور مکتفی باللہ کا بیٹا جعفر وقت کے مشاہیر فلاسفہ میں محسوب ہوتا تھا چنانچہ ابن قفطی نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

"جعفر بن المکتفی باللہ۔۔۔۔ یونانی علوم کی بہت سی شاخوں کا ذی مرتبت فاضل تھا اس نے علوم قدیمہ کے اوپر بہت اچھی تعلیقات لکھی تھیں نیز اسے قدیم و یونانی حکماء کے حالات اور اسی طرح متاخرین (حکمائے اسلام) کے حالات سے بہت واقفیت تھی"[1]

مکتفی کی وفات پر مقتدر باللہ اس کا جانشین ہوا۔ اس نے بھی ۳۲۰ھ تک حکومت کی لیکن ضعف و انحلال مملکت کی رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا۔ اس پر مقتدر کی کم سنی، لہو و لعب میں مشغولیت اور اسراف بے جا، امور سلطنت میں خواتین حرم کی مداخلت اور امراء دولت کی منافست نے آگ پر تیل کا کام کیا۔ ۳۰۶ھ میں انصرام حکومت مقتدر کی ماں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ اس سے نظام مملکت سنبھلنے کے بجائے اور بگڑ گیا۔ غرض اس ضعف و کمزوری کا نتیجہ یہ ہوا کہ اندلس کے اموی حکمرانوں نے جو ابھی تک صرف امیر کہلاتے تھے باقاعدہ امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔ مغربی افریقہ میں فاطمی خلافت قائم ہوگئی۔ خراسان میں سامانی حکومت کی بنیادیں مستحکم ہوگئیں۔ قرامطہ کی تخریبی کارروائیاں حد سے بڑھ گئیں اور عالم اسلام ان کے رونگٹے کھڑے کر دینے والے مظالم سے لرزہ براندام ہوگیا۔ ادھر رومیوں نے سرحدی علاقوں پر تاخت و تاراج کر کے بہت سا علاقہ چھین لیا۔

مقتدر ہی کے زمانہ میں فارابی بغداد پہونچا جہاں اس نے یوحنا بن حیلان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا (تفصیل آگے آئے گی)

مقتدر ۳۲۰ھ میں قتل ہوا اور قاہر باللہ اس کا جانشین ہوا مگر دو سال بعد اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی گئی اور راضی باللہ تخت نشین ہوا جس نے ۳۲۹ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد متقی باللہ خلیفہ ہوا مگر چار سال بعد اُس کی آنکھوں میں بھی سلائی پھیر دی گئی اور مستکفی باللہ خلیفہ بنایا گیا۔

---

[1] اخبار العلماء باخبار الحکماء لابن القفطی صفحہ ۱۰۸

حکومتی اقتدار کے ضعف اور ارباب حکومت کی بدانتظامی سے خزانۂ عامرہ ترکوں کی لوٹ کھسوٹ کا اور ملک طبقہ کُتاب کے استحصال بالجبر کا شکار تھا۔ اہل حرفہ تنگدست تھے اور کسان بھوکے لہذا ملکی خراج میں غیر معمولی کمی ہونے لگی۔ اس سے صورت حال بد سے بدتر ہوگئی۔ بغداد میں قحط پڑنا شروع ہوا۔ ضروریات زندگی کا نرخ ناقابل یقین حد تک بڑھنے لگا۔ لوگ گھربار چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ بعض خلفاء نے اصلاح کی کوشش کی مگر بے سود۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بغداد پر قہر الٰہی مسلط ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اُسے تباہی و بربادی سے نہیں بچا سکتی۔

اس تمام عرصے میں فارابی بڑے سکون و طمانیت کے ساتھ بغداد کے سیاسی (اور اسی طرح عملی) ہنگاموں سے الگ گوشۂ عافیت میں اپنے مطالعہ کے اندر مشغول رہا۔ اس کی تصانیف میں اس عالمگیر انتشار اور بے چینی کا کہیں اشارہ نہیں ملتا۔ نہ ہی اس کا ذکر سیاسی تو درکنار علمی حلقوں میں سننے میں آتا ہے۔

مگر سنہ ۳۳۰ھ میں بریدی کے فتنے نے بغداد کو بالکل تباہ کر دیا۔ قحط اور گرانی نے بے شمار نفوس کو مار ڈالا جن کی لاشیں بے گور و کفن پڑی رہیں۔ ان کے تعفن سے وبا پھیل گئی چنانچہ ابن الاثیر سنہ ۳۳۴ھ کے واقعات میں لکھتا ہے :-

وفیها اشتد الغلاء لاسیما بالعراق ........ اور اس سال گرانی بہت زیادہ بڑھ گئی بالخصوص عراق میں .... واکل الضعفاء المیتة وکثیر الوباء والموت جداً[1] .... ضعیف الحال لوگ مردار کھانے لگے۔ اس سے وبا پھیل گئی اور اموات بہت زیادہ ہونے لگیں۔

اب فارابی کے لیے بغداد میں قیام ناممکن ہوگیا۔ وہ دمشق پہونچا جہاں بے سروسامانی کے باوجود علمی مطالعہ میں مشغول ہوگیا (تفصیل آگے آئے گی)۔

ادھر مستکفی کی خلافت کو چھ مہینے بھی نہ ہوئے تھے کہ آل بویہ بغداد میں آدھمکے۔ سنہ ۳۳۴ھ میں مستکفی اُن کے ایماء سے معزول کیا گیا اور المطیع اللہ آل بویہ کے وظیفہ خوار کی حیثیت سے خلیفہ ہوا۔ اب خلفاء کا رہا سہا اقتدار بھی ختم ہوگیا اور ان کی حیثیت آل بویہ کے پنشن خواروں کی سی ہوگئی جنہیں انہوں نے اپنے مخصوص مصالح کی بنا پر باقی رکھ چھوڑا تھا۔

سنہ ۳۳۶ھ میں دمشق پر سیف الدولہ حمدانی[2] کا قبضہ ہوگیا اور اس کے بعد فارابی نے اپنی زندگی کا باقی

---

[1] کامل لابن الاثیر جلد ثانی صفحہ ۱۲۷

[2] سیف الدولہ کے مورث اعلیٰ کا نام حمدان (بجائے حطی) ہے ہمدان (بجائے ہوز) ایک شہر کا نام ہے جو مشہور مقامات نویس بدیع الزمان ہمدانی کا وطن تھا، اس لیے ہمدانی (بجائے حمدانی) (دمشق پر بھی ہمدانیوں کا قبضہ ہوگیا) سے ذہن اس بات کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ یہ شہر ہمدان کا رہنے والا تھا حالانکہ یہ لوگ جزیرہ کے رہنے والے تھے جو ہمدان سے بہت زیادہ فاصلہ پر تھا۔ اس غلط نویسی کی وجہ یہ ہے کہ آج کل لوگ عربی مصادر کے بجائے انگریزی کتابوں کی خوشہ چینی پر اکتفا کیا کرتے ہیں

حصہ اُسی کے دربار میں گزار دیا جہاں بغداد کے اختلال و انتشار کے مقابلے میں زیادہ امن و سکون تھا اور وہیں ۳۳۹ھ میں وفات پائی۔

**علم وادب کی گرم بازاری** مرکز خلافت کے ضعف و اختلال نے جہاں اسلام کی سیاسی وحدت کو پارہ پارہ کیا وہاں اس سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ اس طرح جو چھوٹی چھوٹی سلطنتیں قائم ہوئیں ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ علم وادب کی سرپرستی میں دوسرے حریفوں سے گوئے مسابقت لے جانا چاہتی تھی اس مسابقت ومنافست کے جذبے نے عالم اسلام میں متعدد بغداد بنا دیے۔ ان علمی مراکز میں بغداد کے علاوہ جہاں فارابی کی عمر کا بیشتر حصہ (مقتدر باللہ کے عہد سے ۳۳۰ھ تک) گزرا، دو دربار خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ مشرق میں خراسان و ماوراء النہر جہاں سامانی خاندان فرمانروا تھا اور جہاں فارابی پیدا ہوا تھا۔ دوسرا جزیرہ و شام کی حمدانی حکومت جہاں سیف الدولہ کی بخششوں نے علم وادب کے آفتاب و ماہتاب (فارابی و متنبی) کو کھینچ لیا تھا

۱ ۔ سامانی خاندان کا مورث اعلیٰ ایران کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا سلسلہ نسب بہرام چوبین تک پہونچتا تھا۔ ۲۶۱ھ میں معتمد باللہ نے ماوراء النہر کا منشور ایالت نصر بن احمد سامانی کو عطا کیا ۲۷۹ھ میں اس کی وفات پر اُس کا بھائی اسمٰعیل جانشین ہوا۔ اس نے یعقوب بن لیث الصفار سے مشرقی مقبوضات جن پر وہ غاصبانہ قابض ہوگیا تھا چھین لیے اور اس طرح پورے خراسان اور ماوراء النہر پر حاکم ہوگیا۔ چونکہ اسمٰعیل ایک کریم النسب خاندان سے تعلق رکھتا تھا لہذا بزرگی و نجابت کے ساتھ اس نے اپنے اسلاف سے اہل کمال کی قدر شناسی بھی ورثہ میں پائی تھی۔ روضۃ الصفا میں ہے۔

"ارباب تواریخ گفتہ اند کہ اسمٰعیل بادشاہ خیر و کریم الطبع بود۔ فضلاء و علماء در ایام دولت او معزز و محترم بودند" (روضۃ الصفا جلد چہارم صفحہ ۱۱)

اسمٰعیل نے ۲۹۵ھ میں وفات پائی اور اُس کے بعد عرصہ تک اس کا خاندان ماوراء النہر میں متمکن رہا یہاں تک کہ ۳۸۹ھ میں ارکان دولت کی منافست و منافقت کی وجہ سے ختم ہوگیا۔ سامانی عہد کے بخارا کی علمی و ادبی عظمت کے متعلق ثعالبی نے یتیمۃ الدہر میں لکھا ہے:۔

"سامانی خاندان کے عہد حکومت میں بخارا بزرگی کا گہوارہ، ملک کا مرکز، منتخب روزگار لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ، روئے زمین کے ادباء کا مطلع النجوم اور فضلاء دہر کا بازار تھا"[1]

اسی طرح مقدسی جس نے فارابی کی وفات کے تقریباً چالیس سال بعد ماوراء النہر کی سیاحت کی تھی، سامانی خاندان کی علم نوازی و علماء پروری کے بارے میں لکھتا ہے:۔

"سامانی حکمرانوں کا دستور ہے کہ وہ علماء کو زمین بوسی کی تکلیف نہیں دیتے وہ ماہ رمضان کی جمعراتوں کو بعد عشاء مجالس مناظرہ اپنے سامنے قائم کرتے ہیں۔ پہلے بادشاہ کوئی مسئلہ دریافت کرتا ہے پھر علماء اس میں قیل و قال کرتے ہیں...... بخارا میں سب سے زیادہ فقہ دان کو منتخب کرکے اس کا رتبہ بڑھاتے ہیں، اس کی رائے پر عمل کرتے ہیں، اس کی ضروریات کو پورا کرتے ہیں اور اس کے مشورے سے اعلیٰ عہدوں پر تقرر کرتے ہیں"[۱]۔

فارابی کی خوش قسمتی ہے کہ وہ اس عظیم المرتبت خاندان کے عہد حکومت میں ۲۵۹ھ کے قریب پیدا ہوا اور انہیں کی قلمرو میں جوان ہوا۔

ب۔ اس عہد کا دوسرا علمی مرکز سیف الدولہ کا دربار تھا۔ سیف الدولہ عربی النسل تھا۔ اس کا باپ ابو الہیجا عبدالرحمٰن بن حمدان پہلا شخص ہے جس کا نام ارباب حکومت میں سننے میں آتا ہے۔ ۲۸۹ھ میں مکتفی باللہ نے اسے موصل کی حکومت دی۔ ۳۱۷ھ میں وہ مقتدر باللہ کے فتنہ میں قتل ہوا۔ ۳۲۹ھ میں متقی باللہ نے اس کے بیٹوں کو ناصر الدولہ اور سیف الدولہ کا خطاب دیا۔ ان میں تاریخ ادب کے اندر سیف الدولہ کا نام مشہور ہے جسے متنبی کے قصائد نے زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ سیف الدولہ کا دربار اہل فضل و کمال کا مرجع تھا۔ چنانچہ ابن خلکان نے ثعالبی کی یتیمۃ الدھر سے نقل کیا ہے:۔

"ابو منصور ثعالبی نے یتیمۃ الدھر میں لکھا ہے کہ بنو حمدان ایسے بادشاہ تھے جن کے چہرے حسین تھے زبانیں فصیح تھیں ہاتھ فیاض تھے عقلیں عمدہ تھیں اور سیف الدولہ ان میں سرداری کے لیے مشہور ہے اور اس خاندان کا گل سرسبد تھا اس کی بارگاہ وفود کا منتقد تھی اور جود و سخا کا مطلع تھی امیدوں کی قبلہ گاہ تھی اور سواریوں کے اترنے کی جگہ۔ اہل ادب کے جمع ہونے کی جگہ اور شعراء کا میدان تھی۔ کہا جاتا ہے کہ خلفاء کے بعد کسی بادشاہ کے دروازے پر اتنے اکابر شعراء اور مشاہیر روزگار جمع نہیں ہوئے جتنے سیف الدولہ کے دربار میں"[۳]۔

سیف الدولہ نے ایک بہت عمدہ لائبریری بھی جمع کی تھی جس کی نفاست کا اندازہ اس سے ہوگا کہ اس میں بے شمار کتابیں مشہور خطاط ابن مقلہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں۔ شکست کے دن صرف ابن مقلہ کی لکھی ہوئی

---

[۱] یتیمۃ الدھر للثعالبی جلد رابع صفحہ ۳۳

[۲] احسن التقاسیم للمقدسی صفحہ ۳۳۹

[۳] وفیات الاعیان جلد اول صفحہ ۳۶۴

کتابوں کے پانچ ہزار اوراق ضائع ہوئے[1]۔ اس کی علماء نوازی کا یہ عالم تھا کہ صرف کھانا کھاتے وقت دسترخوان پر چوبیس طبیب حاضر رہتے ۔ ابن ابی اصیبعہ لکھتا ہے:

"جب سیف الدولہ کھانا کھاتا تو دسترخوان پر چوبیس طبیب حاضر رہتے ....... ان میں سے بعض کو دو تنخواہیں ملتی تھیں کیونکہ وہ دو علموں میں ماہر تھے اور کچھ کو تین تنخواہیں ملتی تھیں کیونکہ وہ تین فنوں میں دست گاہ رکھتے تھے۔ انہیں میں سے عیسیٰ الرقی تھا جو تفلسی کے نام سے مشہور تھا۔"[2]

اسی سیف الدولہ کے دربار میں فارابی نے اپنی زندگی کے آخری دن گزارے اور اسی کے دربار میں اس نے ۳۳۹ھ میں وفات پائی۔

ج :- رہا بغداد تو اس کی علمی عظمت شرح و بیان سے مستغنی ہے۔ فارابی بغداد میں مقتدر باللہ (۲۹۵-۳۲۰ھ) کے زمانہ میں آیا۔ اور ۳۳۰ھ تک یہیں رہا اس زمانہ میں بغداد کے اندر علم حدیث کے علاوہ دو علموں کا چرچا تھا: نحو اور کلام

(۱) نحویوں کے دو فریق ہیں۔ ان میں اقدم بصری ہیں۔ بعد میں کوفے کا مکتب پیدا ہوا۔ کوفی نحویوں میں سب سے پہلے رؤاسی نے تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا۔ اس کے دو شاگرد تھے کسائی اور فراء (المتوفی ۲۰۷ھ) جب دوسری صدی کے ربع دوم سے مسلمانوں میں منطق پھیلنا شروع ہوئی تو اس نے عربی کو بھی متاثر کیا اور فراء پہلا شخص ہے جس نے نحو میں فلسفہ کا انداز داخل کیا۔ ابن الندیم لکھتا ہے:

"اور فراء اپنی کتابوں میں تفلسف سے کام لیتا تھا۔ یعنی اپنے الفاظ میں اہل فلسفہ کے کلام کی پیروی کرتا تھا۔"[3]

بصری مکتب نحو کا سب سے مشہور نمائندہ تیسری صدی کے آخر میں مبرد (صاحب کامل المبرد) تھا۔ اس کا شاگرد زجاج تھا جو معتضد باللہ کے لڑکوں کا معلم تھا۔ دوسرا مشہور شاگرد ابن السراج تھا جو مبرد کی وفات (۲۸۵ھ) کے بعد زجاج کا شاگرد ہو گیا۔ اب نحوی بھی یونانی منطق سے متاثر ہونے لگے تھے لہذا ابن السراج نے بھی باقاعدہ منطق کی تعلیم حاصل کی مگر اس میں مشغولیت کی وجہ سے اس کی نحو کمزور ہونے لگی چنانچہ ایک دن وہ

---

[1] معجم الادباء جلد ثالث صفحہ ۱۵۲

[2] طبقات الاطباء جلد ثانی صفحہ ۱۴۰

[3] الفہرست لابن الندیم صفحہ ۹۹

زجاج کے یہاں گیا۔ زجاج نے ایک مسئلہ دریافت کیا جس کا وہ صحیح جواب نہ دے سکا۔ زجاج بہت ناراض ہوا۔ اس پر ابن السراج نے معذرت کرتے ہوئے کہا:

"جب سے میں نے سیبویہ کی اس کتاب کو پڑھا ہے جو کچھ آپ نے مجھے پڑھایا ہیں اسے چھوڑے ہوئے ہوں کیونکہ میں منطق اور موسیقی کی وجہ سے اس سے غافل ہوگیا مگر اب میں اس کا اعادہ کروں گا[1]"

اس زمانہ کا دوسرا مشہور نحوی ابو سعید السیرانی تھا۔ سنہ ۳۲۰ھ میں وزیر ابن الفرات کے مکان پر ابو سعید السیرانی اور مشہور منطقی متّیٰ بن یونان کے درمیان نحو اور منطق کی افضلیت کے بارے میں مناظرہ ہوا تھا۔ اس مناظرے میں دونوں طرف سے بڑے بڑے اکابر فضلاء شریک ہوئے تھے (مگر فارابی ان میں نہیں تھا) ابو سعید السیرانی نے متّیٰ بن یونان کو ساکت ولاجواب کر دیا تھا[2]۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل منطق کو جواب تک منطق کی عظمت واہمیت پر اصرار تھا اب انہیں اس میں تبدیل کرنا پڑی چنانچہ فارابی ہرچند کہ منطق کی عظمت پر زور دیتا تھا مگر "احصاء العلوم" میں اس نے غلو ومبالغہ کے بجائے سنجیدہ لہجہ اختیار کیا:

"نحو سے صرف وہ قوانین معلوم ہوتے ہیں جو صرف کسی مخصوص قوم کی زبان سے مختص ہیں۔ اس کے برخلاف منطق سے صرف وہ قوانین معلوم ہوتے ہیں جن میں سب قوموں کی زبانیں مشترک ہیں[3]"

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل منطق کو نحو کی اور نحویوں کو منطق کی اہمیت کا احساس ہوا چنانچہ ابن السراج نے فارابی سے منطق اور فارابی نے ابن السراج سے نحو پڑھنا شروع کیا ابن ابی اُصیبعہ نے لکھا ہے:

"تاریخ میں ہے کہ فارابی ابو بکر ابن السراج کے ساتھ جمع ہوا کرتا تھا پس اس سے نحو کی تعلیم حاصل کرتا تھا اور ابن السراج اس سے منطق پڑھا کرتا تھا[4]"

(ب) اس زمانہ کا دوسرا مشہور علم "علم کلام" تھا۔ فارابی نے "احصاء العلوم" کی پانچویں فصل میں اس کی حقیقت کے بارے میں لکھا ہے:

"علم کلام ایک ملکہ ہے جس کے ساتھ انسان ان افکار اور اعمال کی حمایت پر قادر ہوتا ہے جن کی کسی بانی مذہب نے صراحت کی ہے نیز جس کے ذریعے وہ مخالف راویوں کی تردید کرتا ہے[5]"

غرض علم کلام کے دو شعبے ہیں (۱) اپنی مذہبی تعلیمات کی تائید اور (۲) مخالفین کے راویوں کی تردید۔ اس

---

[1] الفہرست لابن الندیم صفحہ ۹۲

[2] معجم الادباء یاقوت حموی جلد ثالث صفحہ ۱۱۹ [3] احصاء العلوم الفارابی صفحہ ۶۲ [4] طبقات الاطباء جلد ثانی صفحہ ۱۳۴ [5] احصاء العلوم صفحہ ۱۰۷

دوسرے شعبے کے تحت متکلمین مہدی عباسی (۱۵۸ھ - ۱۶۹ھ) کے زمانہ سے فلاسفہ اور دیگر مذاہب کے پیروؤں پر تنقید کر رہے تھے اور تیسری صدی کے آخر اور چوتھی صدی کے شروع میں تو ان کی سرگرمیاں انتہا کو پہنچ گئی تھیں۔ انہوں نے فلاسفہ بالخصوص ارسطاطالیسی فلسفہ کے پرخچے اڑا دیے تھے مثلاً ابو ہاشم نے ارسطو کی کتاب الکون والفساد کا رد لکھا تھا (کتاب النقض علی ارسطاطالیس فی الکون الفساد) ہشام بن الحکم نے ارسطاطالیسی توحید کی تنقید لکھی تھی (کتاب علی ارسطاطالیس فی التوحید) امام ابو الحسن الاشعری نے "کتاب فی الرد علی الفلاسفہ" میں ارسطو کی کتاب السماء والعالم کا رد لکھا تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے فلسفی نظاموں کی (بالخصوص اہل الطبائع اور دہریہ کی) تردید میں متعدد کتابیں لکھی گئیں جن کا فلاسفہ سے جواب بن نہیں پڑتا تھا چنانچہ ابو سعید السیرافی نے متیٰ بن یونان کو الزام دیا تھا:-

"یہ ابو العباس الناشی متکلم ہیں جنہوں نے تم پر نقض وارد کیے ہیں، تمہارے طریقہ کی چھان بین کی ہے، تمہاری غلطیوں کو بے نقاب کیا ہے اور تمہاری کمزوری کو ظاہر کیا ہے۔ تمہیں آج تک اتنی قدرت نہ ہوئی کہ اس کی ایک بات تک کا جواب دیتے، صرف اسی بات کی رٹ لگاتے رہے کہ وہ ہمارا مقصد نہیں سمجھا اور نہ ہماری مراد سے واقف ہوا۔ صرف بر بنائے وہم ساری قیل و قال کی ہے اور یہ تمہاری ہٹ دھرمی اور اعتراف عجز ہے۔"[۱]

اور یہ واقعہ بھی تھا۔ یحییٰ بن عدی نے یہی سبب بنا کر متکلمین کے ساتھ مناظرہ کرنے سے معذرت چاہی تھی کہ

"نہ وہ میری عبارت کے قواعد سمجھتے ہیں اور نہ میں ان کی اصطلاح۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھے متکلمین کے مناظرہ میں وہی پیش آئے جو ابو علی جبائی کی کتاب التصفح میں پیش آیا کیونکہ اس نے اس کتاب میں ارسطو کے اقوال کا رد لکھا تھا ....... لیکن چونکہ جبائی منطق سے واقف نہیں تھا لہذا تردید و تنقید کا کام خراب کر دیا...... اور اگر منطق جانتا ہوتا تو اس بات سے تعرض بھی نہ کرتا۔"[۲]

بہرحال فارابی نے اپنی جماعت کے اسی انداز سکوت کو اپنا معمول بنایا۔ اس نے اپنی تمام تر توجہ صرف ارسطاطالیسی فلسفہ کی تشریح و توضیح پر مرکوز کر دی بلا اس خیال کے کہ متکلمین نے اس کی دھجیاں بکھیر دی ہیں اور ان میں اب رفو کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ اس معاملے میں بوعلی سینا کی خدمات فارابی سے افضل ہیں کیونکہ متکلمین کے بے پناہ حملوں سے یونانی فلسفہ کی بوسیدہ عمارت میں جو رخنے پڑ گئے تھے شیخ نے ان کے انسداد کی انتھک کوشش کی۔ اگرچہ کامیابی اسے بھی نہیں ہوئی مگر کم از کم فلاسفۂ اسلام کا ایک مستقل نظام فکر مرتب ہو گیا جو آخر زمانہ تک

---

[۱] معجم الادباء جلد ثالث صفحہ ۱۱۹ [۲] اخبار العلماء باخبار الحکماء صفحہ ۳۰

متکلمین کے فکری نظام کا مقابلہ کرتا رہا۔

فارابی نے احصاء العلوم میں جو کچھ کلام کے بارے میں لکھا ہے، نیز اس نے اپنے دیگر رسائل میں جس طرح مابعد الطبیعاتی مسائل کی شرح و وضاحت کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے امعانِ نظر سے علم کلام کا مطالعہ نہیں کیا تھا اور وہ تعصب جس کا طعنہ فلاسفہ متکلمین کو دیتے تھے خود فارابی کے مزاج میں بھی راسخ تھا۔

لیکن وہ فلسفہ کے اندر یقیناً "فیلسوف المسلمین غیر مدافع" تھا۔ اس لیے اس کے فلسفیانہ کمال کو سمجھنے کے لیے اس زمانہ کی فلسفیانہ تکفیر کا بیان غیر مناسب نہ ہوگا

**فلسفیانہ ماحول** | مسلمانوں میں فلسفہ سے عموماً ارسطو ہی کا فلسفہ مراد ہوتا تھا۔ ارسطو کے مرنے پر اس کے شاگردوں کی ایک جماعت اسکندریہ چلی گئی جہاں مصر کے بطلیموسی حکمرانوں نے نہایت فراخدلی سے ان کی سرپرستی کی۔ اس خاندان کی آخری حکمران کلیوپیٹرا (قلوبطرہ) تھی جس پر قیصر آگسٹس نے حملہ کرکے مصر کو رومن سلطنت میں ملا لیا۔ اس وقت اسکندریہ کے مدرسہ فلسفہ کا صدر انڈرونیکس تھا۔ قیصر کے حکم سے اس نے ارسطو کی تصانیف کا ایک مستند ایڈیشن مرتب کیا۔ آگسٹس اسے اپنے ہمراہ لے گیا اور اسکندریہ کے مدرسہ میں اندرونیقوس کا نائب انتظام کرنے لگا[1]

اسی زمانہ میں مسیحیت مبعوث ہوئی۔ شروع میں تو وہ رومن تجبر اور یونانی وثنیت PAGANISM کے تعصب کا شکار رہی لیکن ۳۲۳ء میں جب قسطنطین اعظم نے مسیحی مذہب اختیار کیا اور مسیحیت کو ملکی مذہب قرار دیا تو عیسائیوں کو اپنے پرانے دشمنوں سے انتقام لینے کا موقع ہاتھ آیا۔ انہوں نے دوسرے مذہب والوں بالخصوص بت پرستوں اور فلاسفہ سے دل کھول کر بدلہ لیا۔ لائبریریاں جلا دی گئیں، فلاسفہ ملک بدر کیے گئے اور منطق و فلسفہ کی تعلیم پر شدید پابندیاں عاید کی گئیں۔ لیکن ان موانع کے باوجود اسکندریہ کا مدرسہ آٹھویں صدی مسیحی کے آغاز (پہلی صدی ہجری کے اختتام) تک اپنی دیرینہ خدمات انجام دیتا رہا۔

مگر جلد ہی عیسائیوں کا یہ تعصب (بالخصوص پانچویں صدی مسیحی میں) آپس کی فرقہ وارانہ منافرت میں تبدیل ہوگیا۔ مذہبی موشگافیوں نے متعدد فرقے بنا دیے۔ ان میں سے ایک نسطوری فرقہ تھا جو اپنے حریفوں کی سازش سے خارج از کلیسا اور جلاوطن کیا گیا اور ایران میں پناہ لینے پر مجبور ہوا جہاں اس نے شہر نصیبین میں اپنا مدرسہ قائم کیا۔ نساطرہ نے اپنی مذہبی تعلیمات کو معقول بنانے کے لیے ارسطاطالیسی منطق و فلسفہ سے کام

---

[1] طبقات الاطباء جلد ثانی صفحہ ۱۳۵

لیا۔ اس طرح یونانی بالخصوص ارسطا طالیسی فلسفہ نسطوریوں کے توسط سے ایران میں پہنچا۔

۵۲۹ء میں قیصر جسٹینیان کے حکم سے ایتھنز کا مدرسہ فلسفہ بند کر دیا گیا اور یہاں کے فلاسفہ شہنشاہ ایران خسرو انوشیرواں کے دربار میں پناہ گزین ہوئے۔ نوشیرواں کو خود بھی علم و حکمت سے بڑی دلچسپی تھی، اس لیے اس نے جندی ساپور میں ایک مدرسہ قائم کیا جس میں دیگر علوم کے علاوہ منطق و فلسفہ کی بھی تعلیم ہوتی تھی۔ اس مدرسہ سے سب سے زیادہ فائدہ طبقہ "دبیران" (کتّاب) نے اٹھایا، یہاں تک کہ انہوں نے فلسفہ و حکمت کی کتابوں کے لیے دو مستقل رسم الخط ایجاد کیے[1]

اس طرح مسیحی تعصب کی شدت کے باوجود یونانی فلسفہ کے تین گہوارے ہو گئے۔

ا۔ اسکندریہ کا مدرسہ فلسفہ جہاں مسیحی تعصب کے باوجود یونانی فلاسفہ پہلی صدی ہجری کے اختتام (خلافت عمر بن عبدالعزیز) تک اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔

ب۔ نسطوری مبلغین جو اپنی مذہبی تعلیمات کے ساتھ ساتھ یونانی فلسفہ کی بھی تعلیم دیتے تھے اور جو ساسانی حکومت کے زوال پر جندی ساپور کے مدرسہ طب پر چھا گئے تھے۔

ج۔ طبقہ کتاب (دبیران) جو عمومی تعلیم اور تثقیف ذہنی کے لیے یونانی فلسفہ سے فی الجملہ آشنائی بہم پہونچانا ضروری سمجھتے تھے۔ ان تین گہواروں کے علاوہ یونانی حکمت کے دو اور مرکز بھی تھے۔

د۔ حران جو سائیرت کا مرکز تھا اپنی یونان پسندی کی وجہ سے "مدینۃ الیونانیین" (Hele no Polis) کہلاتا تھا۔

ہ۔ باختر (بلخ) کا علاقہ جہاں عرصہ تک یونانی حکومت رہ چکی تھی اور حکومت بدل جانے کے باوجود وہاں کی یونانی آبادی اپنے اسلاف کے علوم کو زندہ رکھے ہوئے تھی۔

ساتویں صدی مسیحی میں اسلام مبعوث ہوا۔ جب قلمرو ئے خلافت کی حدیں جیحوں سے نے کر نیل تک پھیل گئیں تو بڑھتی ہوئی ملکی ضرورتوں کے پیش نظر رومی و ایرانی کتّاب (کاتبوں) سے کام لینا پڑا اور اس طرح اُن کے ذریعے یونانی فلسفہ مسلمانوں میں متعارف ہوا جب عباسی خلیفہ ہوئے تو انہوں نے علاج معالجہ کے لیے جندی ساپور کے نسطوری اطباء کو دربار میں بلایا اور انہیں کے ذریعے یونانی علوم کو عربی میں منتقل کرایا۔ یہ تحریک جس کا آغاز خلیفہ منصور عباسی کے زمانہ سے ہوا، مامون الرشید (۱۹۸ - ۲۱۸ ھ) کے عہد میں اپنے درجہ کمال کو پہونچی۔ اُسے یونانی علم و حکمت سے بیحد شغف تھا لہذا اُس نے یُونانی کتابوں کے ترجمہ کے لیے نسطوری

---

[1] الفہرست لابن الندیم صفحہ ۲۰، ۲۱ (نیم کنج دراس سہریہ)

صابئیوں کے علاوہ حران کے صابئیوں سے بھی کام لیا۔ اُس کی داد و دہش اور علمی سرپرستی کے قصے سن کر خراسان و ماوراء النہر (جہاں مامون عرصہ تک رہ چکا تھا) کے ارباب کمال بھی جوق در جوق بغداد پہنچے۔ قاضی صاعد اندلسی نے اس کی "فلسفہ نوازی" کے بارے میں لکھا ہے:

"کتب فلسفہ کا ترجمہ کرانے کے بعد اُس نے لوگوں کو فلسفہ پڑھنے پر برانگیختہ کیا اور اس کی تعلیم کی رغبت دلائی۔ لہٰذا اس کے زمانہ میں علم کا بازار گرم ہوگیا اور فلسفہ و حکمت کی سلطنت قائم ہوگئی[1]"

اسی طرح ترغیب و تحریص کے نتیجے میں تیسری صدی کے مشاہیر حکماء اسلام کندی، سرخسی، ابوزید بلخی، ابوبکر زکریا رازی وغیرہم کا ظہور و بلوغ ہوا۔ اس عرصہ میں اسکندریہ کا مدرسہ فلسفہ بڑی گمنامی کے عالم میں پڑا رہا جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے، پہلی صدی ہجری کے خاتمہ پر وہ اسکندریہ سے انطاکیہ میں منتقل ہوا۔ وہاں بھی کس مپرسی کا عالم رہا یہاں تک کہ آخر میں صرف ایک ہی معلم رہ گیا۔ بعد میں اس کے شاگردوں نے بھی انطاکیہ کو خیر باد کہا اور مدرسہ کو لائبریری سمیت حران لے گئے[2]۔ یہ متوکل باللہ (۲۳۲-۲۴۷) کا زمانہ تھا جو آخر میں ترک گردی کا شکار ہوا۔ اُس کے بعد بدترین سیاسی انتشار شروع ہوا (تفصیل اوپر مذکور ہوئی) جس نے ملکی بدنظمی کے ساتھ دینی گرفت کو بھی ڈھیلا کر دیا۔ فارق المرکز تحریکوں کے ساتھ فلسفیانہ آزاد خیالی کو بھی شہ ملی اور معتضد باللہ (۲۷۹-۲۸۹) کے زمانہ میں جو مشہور ملحد فلسفی احمد بن الطیب السرخسی کا شاگرد تھا، مدرسہ فلسفہ کھلے بندوں بغداد میں منتقل ہوا۔ اسی مدرسہ فلسفہ کا گل سرسبد فارابی تھا۔

انطاکیہ کے اندر مدرسہ فلسفہ میں آخر میں صرف ایک معلم رہ گیا تھا۔ اُس کے دو شاگرد تھے ایک حرانی اور دوسرا مروزی۔ مروزی کے پھر دو شاگرد ہوئے ابراہیم مروزی اور یوحنا بن حیلان۔ اسی طرح حرانی کے دو شاگرد ہوئے اسرائیل الاسقف اور قویری۔ ابراہیم مروزی کے شاگرد ابن کرنیب اور ابو بشر متی بن یونس (جس سے ابو سعید سیرافی کا مناظرہ ہوا تھا) تھے اور یوحنا بن حیلان کا شاگرد فارابی تھا[3]۔ مسعودی ان فلاسفہ کو تین طبقوں میں تقسیم کرتا ہے۔

ا - پہلا طبقہ قویری، یوحنا بن حیلان اور ابراہیم مروزی پر مشتمل ہے

ب - دوسرا طبقہ ابراہیم کرنیب اور ابو بشر متی بن یونس پر مشتمل ہے۔ اور

ج - تیسرا طبقہ فارابی پر مشتمل ہے[4]

---

[1] طبقات الامم للقاضی صاعد اندلسی صفحہ ۷۶ [2] طبقات الاطباء جلد ثانی صفحہ ۱۳۵ [3] ایضاً صفحہ ۱۳۵
[4] کتاب التنبیہ والاشراف للمسعودی صفحہ ۱۲۳

ابو بشر متی بن یونان (یونس) کی وفات (۳۲۸ھ) تک مدرسہ کی قیادت اسے (ابو بشر متی) ہی حاصل رہی، اُس وقت تک فارابی اتنا غیر معروف تھا کہ ابو بشر متی اور ابو سعید سیرانی کے درمیان جو مناظرہ ہوا تھا، اُس میں اُس کا نام بھی سننے میں نہیں آتا۔

لیکن باضابطہ "مدرسہ فلسفہ" کے علاوہ اس زمانہ میں اور بھی فلاسفہ تھے۔ بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ یونانی فلسفہ نے مذہبی طبقہ کی مخالفت کے باوجود غیر معمولی مقبولیت حاصل کر لی تھی۔

اسی پس منظر میں فارابی بغداد آیا اور اپنی سعی پیہم اور جہد مسلسل سے انجام کار "فیلسوف المسلمین غیر مدافع" بن گیا۔ (باقی آیندہ)

---


# تاریخ جمہوریت

مصنفہ شاہد حسین رزاقی

قبائلی معاشروں اور یونانِ قدیم سے لے کر عہدِ انقلاب اور دورِ حاضرہ تک جمہوریت کی مکمل تاریخ جس میں جمہوریت کی نوعیت وارتقا، مطلق العنانی اور جمہوریت کی طویل کش مکش، مختلف زمانوں کے جمہوری نظامات اور اسلامی و مغربی جمہوری افکار کو بڑی خوبی سے واضح کیا گیا ہے۔

صفحات ۵۰۶ - قیمت -/۸ روپے

---

# مسلم ثقافت ہندوستان میں

مصنفہ عبدالمجید سالک

مختصراً اس کتاب کی تالیف کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مسلمانوں نے برصغیر پاک و ہند کو گذشتہ ایک ہزار سال کی مدت میں کن برکات سے آشنا کیا اور اس قدیم ملک کی تہذیب و ثقافت پر کتنا وسیع اور گہرا اثر ڈالا۔

صفحات ۴۳۵ - قیمت ۱۲ روپے

ملنے کا پتہ : سیکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ - لاہور